پیش لفظ

"مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام"

(از قلم: مولانا محمّد طاسین)

اس پیش لفظ میں میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ میں نے یہ مفصّل مضمون جس کا عنوان ہے "مروّجہ زمینداری اور اسلام" اور جس نے اب ایک کتاب کی شکل اختیار کرلی ہے کیوں لکھا، وہ کیا مصلحت اور ضرورت تھی جو میرے لئے اس کے لکھنے کا محرّک اور باعث بنی۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ دورِ حاضر کو معاشیات کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ اس دور میں زندگی کے معاشی پہلو اور اقتصادی شعبے کو جس قدر اہمیت حاصل ہوگئی اس سے پہلے کبھی اس قدر حاصل نہ تھی۔ بلاشبہ آج انسانی ذہن پر جو رجحان سب سے قوی اور غالب ہے وہ معاشی رجحان ہے۔ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ معاشی پہلو کی درستگی پر زندگی کے باقی سب پہلوؤں کی درستگی کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا اس پہلو کو اوّلین اور بنیادی کی اہمیت دے دی گئی ہے اور یہ اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ آج کسی نظامِ حیات کے اچھے برے اور قابلِ قبول اور قابلِ رد ہونے کا معیار، اس کی معاشی ضابطہ اور اقتصادی لائحۂ عمل بن کر رہ گیا ہے، جس کا معاشی ضابطہ اور اقتصادی لائحۂ عمل اچھا اور اطمینان بخش ہے وہ نظامِ حیات اچھا اور قابلِ قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور خرابیاں کیوں نہ پائی جاتی ہوں اس کے برعکس وہ نظامِ حیات بُرا اور قابلِ رد ہے جس کا معاشی ضابطہ اور اقتصادی نظریہ اچھا اور اطمینان بخش نہ ہو خواہ دوسرے پہلوؤں سے اُس کے اندر کتنی ہی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں۔ اور پھر کسی معاشی ضابطے اور اقتصادی لائحۂ عمل کے اچھے اور قابلِ اطمینان ہونے نہ ہونے کا معروضی

معیار اور خارجی پیمانہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی اور معاشی ترقی کے مواقع میسّر آ سکتے ہوں وہ حقیقی طور پر اچھا اور اطمینان بخش ہے اس کے بعد پھر جس سے جتنے زیادہ افراد کو معاشی خوشحالی اور ترقی کے مواقع مل سکتے ہوں اتنا ہی وہ اضافی طور پر اچھا اور اطمینان بخش ہے اور جتنے کم افراد کو معاشی خوشحالی اور ترقّی کے مواقع ملتے ہوں اتنا ہی وہ اضافی طور پر بُرا اور غیر اطمینان بخش ہے۔

عہدِ حاضر میں معاشی نظاموں کو جو اعلیٰ اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اس کا کچھ اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آج دنیائے انسانیت جن دو مخالف اور متحارب دھڑوں میں منقسم ہے اس کا سبب دو مختلف معاشی نظام ہیں۔ ایک کا نام کیپٹیل ازم یعنی سرمایہ داری اور دوسرے کا نام سوشلزم یعنی اشتراکیت ہے۔ جن ممالک کا معاشی نظام سوشلزم ہے وہ سوشلسٹ اور اشتراکی ممالک اور جن میں معاشی نظام کیپیٹلزم ہے وہ کیپیٹلسٹ اور اور سرمایہ دارانہ ممالک کہلاتے ہیں۔ گویا جو چیز ان کو ایک دوسرے سے ممیّز اور جدا کر رہی ہے وہ اُن کے معاشی اور اقتصادی نظام ہیں اور یہی چیز ان کے مابین کبھی ختم نہ ہو سکنے والی کشمکش کا سبب اور موجب ہے۔

ادھر ہم مسلمانوں کا بڑے زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام ہے جو اشتراکی اور سرمایہ دارانہ دونوں معاشی نظاموں سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے لیکن افسوس کہ اب تک ہم اپنے اس دعوے کا نہ عملی طور پر ثبوت پیش کر سکے ہیں اور نہ علمی اور نظری طور پر، عملی طور پر ثبوت نہ پیش کرنے کا مطلب یہ کہ اسلامی ممالک میں سے کسی ملک کے اندر ایسا معاشی نظام عملی شکل میں موجود نہیں جو ہمارے مذکورہ دعوے کے مطابق ہو یعنی نہ سرمایہ دارانہ ہو اور نہ اشتراکی بلکہ دونوں سے بنیادی طور پر مختلف ہو، بلکہ آج اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں عملاً جو معاشی نظام موجود ہے، بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ ہے اور بعض ممالک میں ادھورا قسم کا اشتراکی ہے ____ اور علمی و نظری طور پر ثبوت نہ پیش کر سکنے کا مطلب یہ کہ اب تک ہم اسلام کی معاشی تعلیمات و ہدایات کو باقاعدہ ایک نظام کی صورت میں علمی اور نظری طور پر پیش نہیں کر سکے، ہمارے مختلف علماء کرام نے اسلامی معاشی نظام پر

جو لکھا ہے اس میں اسلامی معاشی نظام کے متفرق اجزاء اختلاف کے ساتھ تو ضرور آ گئے ہیں لیکن کسی کے لکھے ہوئے پر لفظ نظام صادق نہیں آتا، لفظ نظام کا صحیح مصداق اصول و افکار کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جو ایک متعیّن مقصد کے تحت ترتیب کے ساتھ آپس میں مربوط و منظّم ہوتے ہیں جس طرح کسی کُل کے تمام اجزاء، مقصدِ کُل کے تحت آپس میں ہم آہنگ اور مربوط ہوتے ہیں، میں سمجھتا ہوں مسلمان علماء کرام کے ذمّے یہ کام کرنا باقی ہے اور انہیں یہ کام اس لئے بھی ضرور کرنا چاہیئے کہ عہدِ حاضر میں اس کا کرنا دین اسلام کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے، اور جس طرح یہ کام ہونا چاہیئے وہ یہ کہ پہلے قرآن و حدیث میں حیاتِ انسانی کے معاشی پہلو سے متعلق جو اصول و مبادی ہیں پورے دھیان اور غور و فکر کے ساتھ ان کو معلوم اور متعیّن کیا جائے۔ نیز اس معاشی مقصد کو بھی جس کے ساتھ ان اصول و مبادی کا عقلی ربط و تعلق ہے پھر اُن کو ایک مرتّب اور مربوط نظامِ فکر کی صورت میں سامنے لایا جائے اور تقابلی طور پر بتلایا جائے کہ اس نظام میں وہ کیا خوبیاں ہیں جو دوسرے معاشی نظاموں میں نہیں پائی جاتیں اور ان کے اندر وہ کیا خامیاں اور خرابیاں ہیں جن سے یہ پاک صاف ہے۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہمارے ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان سوشلزم کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے جو اس وجہ سے اُس کا شکار ہو رہے ہیں کہ اُن کے سامنے اسلام کا معاشی نظام علمی اور نظری شکل میں بھی موجود نہیں اور سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ معاشی نظام سے اس لئے متنفّر ہیں کہ وہ مٹھی بھر لوگوں کو معاشی خوشحالی اور ترقی کے مواقع فراہم کرتا اور عظیم اکثریت کو اُن سے محروم رکھتا اور طرح طرح کی سماجی برائیوں کو جنم دیتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ اشتراکی معاشی نظام کو اس وجہ سے بہتر سمجھتے اور ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں عظیم اکثریت کو معاشی خوشحالی اور ترقی کا موقع ملتا ہے، ادھر بدقسمتی سے مسلم ممالک میں عام طور پر جو معاشی نظام رائج ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ ہے لہٰذا ذہین و تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر اس کے متعلق بغاوت کا جذبہ موجزن ہے اور وہ اس کو بدل دینا چاہتے ہیں اس کے نتیجہ میں ان کے اور اس نظام کے حامیوں کے مابین کشمکش پائی جاتی ہے اور بعض ممالک میں اس کی شکل مسلّح جنگ کی سی ہے جس سے اُمّت مسلمہ کو

شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے ایک حصّے کا تعلق معاشی زندگی کے زراعت و کاشت کاری کے شعبہ سے ہے جو پاکستان جیسے زرعی ملک کے لئے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس شعبہ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ مزارعت و بٹائی کا مسئلہ ہے جو اپنے عملی اثرات و نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم مسئلہ ہے لیکن بدقسمتی سے اس کے شرعی جواز و عدم جواز کے متعلق فقہاءِ اسلام کے مابین قدیم سے شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فقہاء اس کو بنیادی طور پہ جائز اور بعض اس کو بنیادی طور پہ ناجائز قرار دیتے رہے، اوروں کا تو ذکر کیا خود امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دو شاگردوں امام محمد شیبانیؒ اور قاضی ابویوسفؒ کے مابین اس مسئلہ سے متعلق اختلاف فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے معاملۂ مزارعت کی ہر شکل کو باطل و فاسد اور اُن کے مذکورہ دو شاگردوں نے اس کو بنیادی طور پر جائز و صحیح ٹھہرایا۔ مطلب یہ کہ ان کے درمیان مزارعت کے جواز و عدم جواز کا اختلاف اولیٰ و غیر اولیٰ اور راجح و مرجوح کی قسم کا اختلاف نہ تھا بلکہ صحیح و باطل کی نوعیت کا اختلاف تھا جو دو متضاد آراء کے مابین ہوتا ہے، اسی طرح یہ اختلاف ایسا نہیں جس کے برقرار رہنے سے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو بلکہ ایسا اختلاف ہے جس کے برقرار رہنے سے شدید نقصان پہنچتا اور لاکھوں انسانوں کی زندگیاں متأثر ہوتی ہیں۔ مزارعت جائز ہو تو اُس پر عمل کرنے سے مزارعین کی جو ابتر معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت بنتی ہے وہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو مزارعت کے عدم جواز پر عمل کرنے سے ظہور میں آتی ہے۔ گویا مزارعین کی زندگی کا پورا ڈھانچہ بدل جاتا ہے، اسی طرح اگر اسلام میں مزارعت جائز ہو تو اسلام کے معاشی نظام کا جو نقشہ بنتا ہے وہ اُس نقشے سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو مزارعت کے عدم جواز کی صورت میں تیار ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی معاشی نظام کے تعیّن کے لئے ضروری ہے کہ مزارعت کی شرعی حیثیت متعین ہو کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ ان وجوہ کی بنا پر ضروری ہو جاتا ہے کہ اس اختلاف کا ضرور تصفیہ ہو جو اسلام کے لئے بھی مضر ہے اور مسلمانوں کے لئے بھی مضر و نقصان دہ۔ اور یہ تصفیہ اس لئے ممکن ہے کہ اسلامی تعلیمات میں تضاد کا عیب نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ

ایک ہی معاملہ بیک وقت اسلام میں جائز بھی ہو اور ناجائز بھی، لہٰذا یہ ماننا اور کہنا پڑے گا کہ مزارعت اسلام میں یا جائز ہے یا ناجائز۔ اسی طرح یہ کہ مزارعت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے جو دو مختلف مؤقف ہیں ان میں ایک صحیح اور اسلامی اور دوسرا غیر صحیح اور غیر اسلامی ہے اور اس کہنے میں اس لئے کچھ حرج نہیں کہ یہ دونوں مؤقف اجتہاد پر مبنی اور اجتہادی ہیں اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ اجتہادی فیصلہ کبھی صحیح و صواب اور کبھی غلط و خطاء ہوتا ہے، مجتہد کو کسی نے معصوم عن الخطاء نہیں مانا کیونکہ بعض احادیث نبویہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس کا فیصلہ درست ہوتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور درست نہیں ہوتا تو اس صورت میں بھی اس کو ایک اجر ضرور ملتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ کہ مجتہد کی رائے درست بھی ہوتی ہے اور نادرست بھی، صواب بھی ہوتی ہے اور خطاء بھی۔ اور چونکہ معاملۂ مزارعت کے متعلق اسلام کے حوالے سے فقہاء کے دو بالکل مختلف و متضاد مؤقف درست نہیں ہو سکتے لہٰذا ایک کو منشاءِ اسلام کے مطابق اور صحیح اور دوسرے کو منشاءِ اسلام کے خلاف اور نادرست سمجھنا اور قرار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس امر کا تعیّن کیسے ہو کہ مزارعت کے متعلق دو مختلف موقفوں میں سے کونسا درست ہے اور کونسا درست نہیں؟ تو اس کا جواب یہ کہ اس کا تعیّن ان دلائل کے تحقیقی و تنقیدی جائزے سے ہو سکتا ہے جو ہر مؤقف کی تائید و حمایت میں پیش کئے گئے ہیں، چنانچہ تحقیقی اور تفصیلی جائزے کے بعد جس مؤقف کے دلائل وزنی اور صحیح ثابت ہوں اس کو درست اور قابلِ اعتبار، اور جس کے کمزور اور بودے ثابت ہوں اس کو نادرست اور ناقابلِ اعتماد قرار دیا جائے، یہ علمی کام اگرچہ محقق علماء کی ایک جماعت انجام دے تو بہت بہتر اور زیادہ قابلِ اطمینان ہوگا۔ اور اگر ایسی جماعت موجود نہ ہو تو پھر اس علمی کام کی ذمّہ داری ایسے افراد پر عائد ہوتی ہے جو علمی و فکری طور پر اس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں کہ وہ حتی الوسع اور بقدرِ امکان جس قدر بحث و تحقیق کر سکتے ہوں کریں اور پھر اپنی بحث و تحقیق کے نتائج سامنے لائیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے گذشتہ نصف صدی میں برصغیر کے جن علماءِ کرام نے اردو زبان میں اس موضوع پر لکھا اور مختلف مضامین، مقالوں اور کتابوں

کی شکل میں سامنے آیا وہ مولینا عبید اللہ سندھی، مولینا سید مناظر احسن گیلانی، مولینا حیدر زماں صدیقی، مولینا امین الحق، مولینا ظفر احمد تھانوی، مولینا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولینا تقی امینی، مولینا عبد الغفار حسن، شیخ محمود احمد، رحمت اللہ طارق، رفیع اللہ شہاب، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ وغیرہم ہیں ان میں سے بعض حضرات نے مزارعت و بٹائی کے جواز کا مؤقف اور بعض نے عدم جواز کا مؤقف اختیار کیا اور وہی دلائل دہرائے جو متقدمین حضرات نے عربی زبان میں پیش کئے تھے۔ لہٰذا وہ اختلاف جوں کا توں باقی و برقرار رہا اور بات آگے نہ بڑھی۔

یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ مزارعت کے موضوع پر شروع سے لے کر اب تک جو لکھا گیا اُس کا دارومدار عام طور پر احادیث و آثار پر رہا اور چونکہ مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق احادیث و آثار میں اختلاف پایا جاتا تھا بعض سے اس کا جواز مفہوم ہوتا اور بعض سے عدم جواز ثابت ہوتا تھا۔ لہٰذا بعض لکھنے والوں نے جواز والی احادیث پر اعتماد کر کے اختیار کر لیا اور عدم جواز والی احادیث کو تاویلات کے ذریعے مسترد اور نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے برعکس عدم جواز والی احادیث و روایات کو ترجیحاً اختیار کر کے جواز والی احادیث و روایات کو تاویلات کے ذریعے ترک کر دیا اس بارے میں بحث و تمحیص کا یہی طریقہ ابتداء سے اب تک جاری رہا لہٰذا بات آگے نہ بڑھ سکی اور حقیقتِ حال واضح نہ ہوئی۔

تعجب ہے کہ اس اعتقاد اور اقرار کے باوجود کہ قرآن مجید اسلامی ہدایت کا اصل منبع و سرچشمہ ہے اور اس کے اندر زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول کلیہ اور مبادی عامہ ضرور موجود ہیں جن میں اس شعبہ کے تمام جزوی مسائل کے لئے اجمالی ہدایت پائی جاتی ہے، کسی نے معاملۂ مزارعت کی بحث میں قرآن مجید کی طرف رجوع نہیں کیا کہ اس کے اندر اس کے متعلق کیا ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس میں عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق جو اصولی ہدایت ہے اس کے مطابق معاملۂ مزارعت جائز معاملات کے زمرے میں آتا ہے یا ناجائز معاملات کی فہرست میں، اگر ایسا کیا جاتا تو بات آگے بڑھتی اور حقیقتِ حال کو سمجھنے میں مدد ملتی، علاوہ ازیں جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی شرح و تبیین ہے قرآن حکیم میں

زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اجمالی صورت میں جو اصولی ہدایات ہیں احادیثِ نبویہ میں ان کی تفصیل و تشریح ہے تو پھر لازم ہو جاتا ہے کہ مزارعت سے متعلق جو احادیث ہیں اُن کو قرآن مجید کی اُس اصولی ہدایت کی روشنی میں دیکھا جائے جو عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق اس کے اندر پائی جاتی ہے چنانچہ جو احادیث اس سے مطابقت رکھتی ہوں ان کو قابلِ اعتبار اور جو مطابقت نہ رکھتی ہوں ان کو ساقط الاعتبار اور ناقابلِ اعتماد سمجھا جائے کیونکہ شرح وہی درست اور قابلِ قبول ہوتی ہے جو متن کے اجمالی مفہوم کی حفاظت کے ساتھ اس کی تفصیل و وضاحت کرتی ہو، دراصل وہ شرح، شرح ہی نہیں ہوتی جو متن کے اجمالی مفہوم کے خلاف و منافی ہو۔

اسی طرح معاملۂ مزارعت کے جواز و عدم جواز کی بحث میں اگر معاشی عدل کے اور معاشی ظلم کے اُس تصوّر کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے جس کے مطابق قرآن و حدیث میں بعض معاشی معاملات کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تو بات آگے بڑھتی، اسی طور اس بحث میں اگر اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا جاتا کہ اسلام اپنے مجوّزہ مثالی معاشرے میں جس طرح کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات پیدا کرنا اور بروئے کار دیکھنا چاہتا ہے وہ حالات مزارعت جیسے معاملات کے قیام اور رواج سے وجود میں آتے ہیں یا ان کے انعدام اور ختم ہو جانے سے وجود پذیر ہوتے ہیں تو بحث پیش قدمی کرتی اور حقیقت حال کو سمجھنے میں مدد ملتی، واضح رہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے کے ہر ہر فرد کو اپنی طبعی عمر تک امن و اطمینان کے ساتھ زندہ رہنے اور اپنے متعلقہ فرائض عمدگی کے ساتھ ادا کرنے کا موقعہ ملے جس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کو آزادی خود داری اور عزتِ نفس کے ساتھ معاشی خوشحالی و ترقی کا موقع حاصل ہو۔

اسی طریقہ سے اگر مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق مختلف احادیث و آثار کے ترک و اختیار اور رد و قبول میں محدثین کے وضع کردہ اُن اصولوں کا پوری طرح لحاظ رکھا جاتا جو انہوں نے رفع تعارض کے متعلق بیان فرمائے ہیں یعنی نسخ، ترجیح اور تطبیق کے اصول، اور ان کی روشنی میں ان احادیث کا تحقیقی و تفصیلی جائزہ لیا جاتا تو بحث کا دائرہ وسیع ہوتا اور حقیقت حال کے ادراک میں مدد ملتی۔

مختصر خلاصہ یہ کہ میں نے مزارعت کے موضوع پر لکھے ہوئے بہت سے عربی اردو مضامین و

مقالات پڑھنے کے بعد محسوس کیا کہ ابھی اس موضوع پر مذکورہ پہلوؤں سے مزید لکھنے کی گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔ لہٰذا اپنے علم وفہم کے مطابق خامہ فرسائی کی جواب کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اور کس حد تک نہیں ہوا اس کا فیصلہ وہی اہلِ علم وفکر حضرات کر سکتے ہیں جو غیر متعصب، حقیقت پسند اور منصف مزاج ہیں اور قائل سے زیادہ قول کو دیکھتے ہیں۔ رہے وہ حضرات جو کتب فقہ وفتاوٰی میں لکھے ہوئے علیہ الفتویٰ اور مفتیٰ بہ قول کو منزل من اللہ وحی کی طرح سمجھتے اور اس کے خلاف کوئی بات ماننا تو درکنار سننا بھی گوارا نہیں کرتے خواہ وہ قرآن وحدیث کے مطابق کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو ان کے حق میں دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ انہیں اپنے رد یے پر نظر ثانی کرنے اور حقیقت حال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقلم: محمد طاسین
مجلس علمی کراچی
۷ اپریل ۱۹۸۸ء

حدیث مبارک

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کو تابع کر دے اور اللہ سے امیدیں باندھے۔